© rasailojaraid.com

نصیحت بے اثر کیوں؟

ڈاکٹر طاہر مسعود°

عہد حاضر میں جدید تہذیب اور جدید طرزِ زندگی نے آج عموماً ہمارے اصلاح پسند لوگوں میں جو خرابیاں پیدا کر دی ہیں، ان میں تین بیماریاں سب سے مہلک ہیں جو خود دینی روح کی نفی کرتی ہیں۔ ان میں ایک تو خود رائی اور انانیت، دوسرے مصلحت پسندی، اور تیسرے دوسروں سے بے گانگی و بے حسی ہے۔

یہ عوارض انسانی معاشرت کے لیے ضرر رساں ہیں۔ انھی روّیوں سے معاشرے کا امن وسکون درہم برہم ہی نہیں ہوتا، بلکہ کش مکش اور تصادم کی ایسی فضا ہموار ہوتی ہے، جس میں ہر فرد اپنی ذات اور اپنے مفادات کا اسیر ہو جاتا ہے، اور وہ اعلیٰ اقدار و روایات جن سے کسی معاشرے کا حُسن قائم ہوتا ہے، بتدریج مٹ جاتی ہیں۔ اگر یہ خامیاں نہ ہوں تو باہمی میل جول اور تعلقات میں محبت، رواداری اور برداشت وتحمل کی اعلیٰ صفات اور خوبیاں پیدا ہوتی ہیں۔ پرانی معاشرت میں وضع داری، انسانی تعلق کا پاس ولحاظ، ایثار ومحبت اور رواداری کی خوبیوں کا توازن مثبت پلڑے میں تھا، جن کی وجہ سے اُس زمانے میں نفسانفسی اور آپا دھاپی کی ویسی فضا نہ تھی جس کا تماشا ہم آج کی نئی معاشرت میں آئے دن دیکھتے رہتے ہیں۔

جن عوارض کا ذکر کیا گیا، ان کے اسباب کو سمجھنے کے لیے ہمیں اس صورت حال کا بھی ادراک کرنا ہوگا، جو آج کے انسان کا جبر ہے۔ نئی معاشرت اور نئی جدید تہذیب، یہ سب سائنس وٹکنالوجی کے فراہم کردہ وسائل وتعیشاتِ زندگی سے عبارت ہے۔ یہ تہذیب بنیادی طور پر مشینوں پر انحصار

° سابق پروفیسر، شعبہ ابلاغِ عامہ، جامعہ کراچی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کی وجہ سے ایک مشینی اور میکانکی تہذیب ہے، جو خود اپنی اقدار پیدا کرتی ہے۔ اقبال نے اسی لیے مشینوں کی حکومت کو 'دل' کی موت سے تعبیر کیا تھا۔

مشینیں احساسات و جذبات سے عاری ہوتی ہیں۔ جدید تہذیبی زندگی کا انحصار جیسے جیسے مشینوں پر بڑھتا جاتا ہے اور انسان ان مشینوں سے حاصل ہونے والی سہولتوں اور آسائشات سے زیادہ سے زیادہ سے بہرہ ور ہونے کے لیے ان کو اپنی ذات اور خاندان کے لیے ناگزیر تصور کرنے لگتا ہے، وہ مجبور ہوجاتا ہے کہ ان کے حصول کے لیے اپنی دولت اور آمدنی میں اضافے کے لیے خود مشین بن جائے۔ آج کار، ایئرکنڈیشنڈ، واشنگ مشین، فریج، مائیکرویواوون، ٹیلی وژن، کمپیوٹر، اور اس نوع کی دوسری مشینیں جو زندگی میں آسانیاں پیدا کرتی ہیں، بنیادی اور ضروری بن چکی ہیں۔ ان کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور محال ہوتا جارہا ہے۔

ان وسائل کی موجودگی سے جہاں سہولتیں اور آسانیاں حاصل ہوتی ہیں، وہیں ان کے حصول کے لیے آدمی کو کسب معاش کی تدابیر کرنی پڑتی ہیں کہ معاشرے میں انھی سے اس کا سماجی مرتبہ اور 'اسٹیٹس' متعین ہوتا ہے۔ جب جدید شہری معاشرہ دولت اور اسٹیٹس کی دوڑ میں شریک ہوجاتا ہے تو اس میں کامیابی کے لیے اسے اعلیٰ اقدار و روایات جو دوسروں کے لیے خیرخواہی، ایثار و قربانی، محبت و مروت، تحمل و برداشت وغیرہ سے عبارت ہوتی ہیں، بدقسمتی سے انھیں خیرباد کہنا پڑتا ہے۔ چوں کہ اس ساری مسابقت و مقابلے کا محور و مرکز اپنی ذات اور اپنا گھرانا اور اس کے مفادات ہوتے ہیں، اس لیے مقابلے میں جیتنے کی شرط ہی خودغرضی، مفاد پرستی، بے حسی و بے گانگی وغیرہ ہوتی ہے۔

چناں چہ، ہمیں جو اقدار و روایات آج بھی چھوٹے شہروں اور قصبات میں نظر آتی ہیں، ان کے مظاہر بڑے شہروں کی مصروف و مشینی زندگی میں ناپید دکھائی دیتے ہیں۔ گویا جن عوارض کو آج کے انسانوں میں ہم نے 'مہلک بیماری' سے تعبیر کیا، وہ آج کی شہری زندگی کی مجبوری بھی ہے اور مقدر بھی۔ چھوٹے شہروں اور قصبات و دیہات میں آج بھی لوگوں کے پاس وقت کی فراوانی ہے، اور مہر و محبت اور خلوص کے جذبات ہیں جن کا اظہار مہمان نوازی اور تواضع کی صورت میں وہاں کیا جاتا ہے۔ ایسی مہمان نوازی، دل داری اور تواضع کی توقع آج کے شہری آدمی سے نہیں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاسکتی۔ گویا انسان اپنے ماحول کا اسیر ہوتا ہے اور یہ ماحول کا جبر ہوتا ہے جس میں انسان اپنی خوبیوں یا خامیوں کی نشوونما کرتا ہے۔

لہٰذا، شہری زندگی اور مسائل میں گھرے ہوئے آدمی کی جانچ پرکھ کے لیے ان عوامل کو نظر میں رکھا جانا چاہیے۔ آج کا ایک عام شہری جو روزگار کی مجبوری میں صبح گھر سے نکلتا ہے، طویل فاصلے کو طے کر کے، ٹریفک کے ہجوم اور بدنظمی سے ذہنی کوفت و اذیت کو جھیلتے ہوئے دفتر یا کاروبار کے لیے پہنچتا اور پھر شام تک سر کھپا کر واپس ایسی ہی اذیتوں کو سہتے ہوئے گھر لوٹتا ہے، جہاں پہلے سے اُلجھنیں اور پریشانیاں اسے گھیرنے کے لیے تیار بیٹھی ہوتی ہیں۔ ایسے پریشاں حال آدمی سے اعلیٰ اخلاقی صفات کی اُمید رکھنا بجائے خود کم فہمی ہے۔

اس لیے آج کے شہری انسان کو نصیحتوں اور مشوروں کی نہیں، مدد کی ضرورت ہے۔ پہلے اسے ان بکھیڑوں اور الجھنوں سے نجات دلانے کی ضرورت ہے، جن میں اُلجھ کر وہ دانستہ یا نادانستہ اپنی اخلاقی صفات کھو بیٹھا ہے یا ان کی نشوونما کرنے اور انھیں اُبھارنے کی طرف سے غافل ہے۔ آج کا شہری انسان 'مظلوم' ہے۔ اسے 'ظلم' کے شکنجے سے نکالے بغیر اس سے اچھا انسان بننے کی توقع ایسی ہی ہے، جیسے ایک کمزور و بیمار انسان کو بستر پر پڑا دیکھ کر اسے کاہلی اور بے عملی کا طعنہ دیا جائے۔ جب وجود کی بقا ایک سوال بن جائے تو انانیت اور خودرائی کا پیدا ہونا فطری امر ہے۔ جب آسایشات اور ضروریات ہی زندگی کی مجبوری یا اوّلین ترجیح بن جائیں تو مصلحت و مفاد پرستی پر اعتراض کو وزن دینے کے لیے کوئی آمادہ نظر نہیں آتا۔ جب تہذیب و معاشرت میں ترقی کے لیے یکساں مواقع، عدل و انصاف اور سیاسی و معاشی نظام میں انسانی ہمدردی، خیرخواہی اور مساوات کے اصول و ضابطے ناپید ہو جائیں، تو افراد اور معاشرے میں بے حسی اور بے گانگی کا پیدا ہو جانا کوئی تعجب خیز امر نہیں رہتا۔

جب کسی معاشرے میں ماحول اور مسائل کے جبر کے تحت انسان زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائے تو اس کی شخصیت دولخت ہو جاتی ہے۔ وہ اعتقادات کی سطح پر ایک الگ زندگی اور معاملات کی سطح پر ایک بالکل مختلف و متضاد طرزِ عمل اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج معاشرے میں عقیدہ و عمل میں تضاد پیدا ہو گیا ہے۔ ہم جو عقیدہ اور اخلاقی تصورات اپنے ذہن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں رکھتے ہیں، ان عقائد اور اخلاقی تصورات کی روشنی میں معاملات کرنا چاہیں بھی تو نہیں کر پاتے۔

آخر کیا وجہ ہے کہ جو لوگ درس قرآن، درس حدیث اور وعظ و تلقین کی مجلسوں میں اچھے اور نیک خیالات سن کر اپنے اندر سے اپنے ذہن، ضمیر اور دل سے ان سچائیوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ مدرس کے حکیمانہ نکتوں پر 'واہ واہ، سبحان اللہ' کے ڈونگرے بھی برساتے ہیں، لیکن ان پاکیزہ جذبات سے سرشار مجلسوں سے نکل کر بھی اکثر ویسے کے ویسے ہی رہتے ہیں، اور چند استثنائی مثالوں کے سوا ان کے عملی معاملات میں کوئی واضح اور قابلِ ذکر تبدیلی جڑ نہیں پکڑتی۔ اس حقیقت کو سمجھے بغیر یہ بات قابلِ فہم نہیں ہوسکتی کہ اگر محض وعظ و تلقین سے انسان بدلے جاسکتے تو آج سارے انسان نیکوکار ہوتے۔ یہ بات کہنے کا مقصد وعظ، تلقین اور تبلیغ کی افادیت اور اہمیت کا انکار نہیں، بلکہ ان کے ساتھ دیگر پہلوؤں کی جانب توجہ دلانا مقصود ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ انسان اندر سے بھی بدلتا ہے اور باہر سے بھی۔ اگر معاشرتی، معاشی اور سیاسی نظام اَبتر و مایوس کن ہو تو ایسے نظام کے زیر اثر دکھ، اذیت اور ظلم سہتے انسان کو محض اچھی توقعات کے بَل پر اچھا نہیں بنایا جاسکتا۔ ایسے انسان کو مشورے سے زیادہ، مدد کی ضرورت ہے۔ مدد کے بغیر مشورہ دینا اور نصیحت کرنا کم فہمی کے ساتھ خود ناصح کی بے حسی ہے کہ جن مریضوں کو وہ ناصحانہ دوائیں تجویز کررہا ہے، ان کے مرض کے اصل اسباب سے ہی بے خبر ہے یا انھیں جاننے میں وہ غلطی کا مرتکب ہو رہا ہے۔

ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن کے پیغام کی اشاعت میں حصہ لیجیے

ایجنسی لیجیے اور اپنے اعزہ و احباب میں، اہل محلہ اور رفقاے دفاتر میں

بازار کے دکان داروں میں، کالجوں، اسکولوں اور مدارس میں فروخت کیجیے

5 سے زائد پرچوں پر 25 فی صد 25 سے زائد پرچوں پر 33 فی صد

مینیجر ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن منصورہ، لاہور-۵۴۷۹۰-فون: ۰۴۲-۳۵۲۵۲۱۲۹

© rasailojaraid.com